ماہنامہ

تجلی

دیوبند

تاریکیوں میں ایک چراغ

Mohd Sirajul Hassan.

ایڈیٹر:- عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

سالانہ آٹھ روپے
ایک پونڈ

نئے پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ تجلّی دیوبند

جلد ۱۷

شمارہ ۵

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے
سالانہ قیمت آٹھ روپے۔ فی پرچہ ستر پیسے۔

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ایک پاؤنڈ لنشکل پوسٹل آرڈر
پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھیے بالکل سادہ رکھیے

اننَد ضروری

اگر اس اُوپر والے دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں، آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی آٹھ روپے ستر پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات

ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام اور مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائے گا۔

فہرست مضامین مطابق ماہ جون ۱۹۶۵ء

آغازِ سخن	عامر عثمانی	۴
کیا ہم مسلمان ہیں ؟	شمس نوید عثمانی	۷
میں نے یہودیت سے کیوں توبہ کی	سید نعمت اللہ صاحب	۱۳
معجزہ نہ دکھلانے کی سزا	ڈاکٹر سنیہ وادی	۱۵
تجلّی کی ڈاک	عامر عثمانی	۱۹
آج کی جمعیۃ العلمائے ہند	جناب محمود الحسینی۔ عامر عثمانی	۴۳
مسجد سے میخانے تک	ملا ابن العرب مکی	۵۹
کھرے کھوٹے	عامر عثمانی	۶۷

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ:
دفتر تجلّی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور یو۔پی

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

مدیر
عامر عثمانی
فاضل دیوبند

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیو بند سے شائع کیا

پاکستانی حضرات:۔ مندرجہ بالا پتہ پر منی آرڈر کر کے وہ رسید ہمیں بھیجدیں جو منی آرڈر کرتے وقت ڈاکخانہ سے ملتی ہے۔
منیجر

آغازِ سخن

یہ ٹھیک ہے کہ دو تین ماہ سے آپ کو تجلّی ایک مہینہ لیٹ مل رہا ہے لیکن ملنے کے بعد اگر آپ اس میں وہ سب کچھ پالیتے ہیں جس نے آپ کو اس کا گرویدہ بنایا ہے تو تاخیر کا مسئلہ اتنا اہم نہیں رہ جاتا کہ اس پر بحث کی جائے عام انداز سے ہٹ کر سوچئے تو یہ لگتا ہے کہ تاخیر کا چکر بھی نعمت ہی محسوس فرمائیں گے۔ کتنے شوق سے آپ ہر نئے شمارے کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ انتظار کچھ طول کھینچتا ہے تو آپ کو غصہ آنے لگتا ہے۔ پھر آپ خط لکھتے ہیں یا خموشی سے صبر کے کڑوے گھونٹ پیتے رہتے ہیں۔ آخر کار نیا شمارہ موصول ہو جاتا ہے تو آپ شوق سے اسے کھولتے ہیں اور خاتمے تک پہنچتے پہنچتے یہ بالکل ہی بھول جاتے ہیں کہ کچھ دیر پہلے تک آپ مدیر تجلّی سے خوش نہیں تھے۔

کسی بھی محبوب شے کے انتظار میں کوفت یقیناً ہوتی ہے مگر اس کی آمد کے بعد انتظار کے کامیاب خاتمے کی جو لذت میسر آتی ہے وہ کہاں میسر آتی اگر انتظار کی تلخیوں سے واسطہ پیش نہ آیا ہوتا۔ پرچہ اگر ہمیشہ اپنے ٹھیک ہی وقت پر حاضر ہوتا رہے تو انتظار کا سوال ہی کہاں پیدا ہوگا۔ خدا کرے آپ اس انداز میں سوچنا قبول فرمائیں۔

ویسے تاخیر کا یہ اعتذار ہے یقیناً شاعرانہ — کھرا اعتذار سننا چاہتے ہیں تو سنئے کہ جس پرچے کی تسوید و تکمیل کا بڑا انحصار شخصِ واحد ہی کی ذات پر ہو اس کا کبھی کبھی لیٹ ہو جانا اتنا ہی قدرتی ہے جتنا ہم جنس انسانوں کا نزلے، بخار اور دردِ سر وغیرہ میں مبتلا ہوتے رہنا۔

پرچہ آپ دیکھتے ہی ہیں۔ تحسین کے طور پر نہیں فقط امرِ واقعہ کے طور پر آپ کو یہ تسلیم کر لینے میں تأمل نہ ہونا چاہئے کہ تجلّی کی صورتگری کا زیادہ تر مدار راقم الحروف ہی کی ہستیِ ناچیز پر ہے۔ یہ ہستیِ ناچیز کبھی بیمار بھی ہوتی ہے کبھی الجھنوں میں بھی پھنستی ہے اور کبھی حوادث بھی اسے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ ہر ہر مہینے کی الگ الگ داستان سنا کر آپ کا وقت برباد کیوں کیا جائے مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ اشاعت کا مؤخر ہو جانا ناچیز کی کاہلی یا لاپرائی کا نتیجہ کبھی نہیں ہوتا بلکہ چھوٹی موٹی مجبوریاں ہی سدِّ راہ بن جاتی ہیں۔ کاتب سے لے کر پریس تک سب آدمی ہی آدمی ہیں اور آدمی بلاشبہ اسی مخلوق کا نام ہے جو لامحالہ حوادث کا شکار رہا اور رہے۔

مگر خوشی کی خبر یہ بھی سن لیجئے کہ عنقریب راقم الحروف کا ارادہ ایک خاص نمبر کے ذریعے آپ کا "خسارہ" پورا کر دینے کا ہے۔ عنقریب کا مطلب یہ ہے کہ سالِ رواں کے اندر اندر۔ ہو سکتا ہے اکتوبر تک نکل جائے۔ یہ دو سو صفحات سے زیادہ کا ہوگا اور تجلّی کے سالانہ خریداروں سے اس کا کوئی زائد پیسہ نہیں لیا جائے گا۔ جب تک یہ نہ نکلے یک ماہی تاخیر کا چکر ختم ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا قارئین صبرِ جمیل اختیار فرمائیں۔ اخبار تو ہے ہی نہیں کہ ذرا لیٹ ہوا تو ردّی بن گیا۔ مہینہ نظر انداز کر کے پڑھیئے انشاء اللہ ہمیشہ تازگی محسوس فرمائیں گے۔

پرچہ نہ پہنچنے کا خط اس وقت لکھیے جب مثلاً جولائی کا شمارہ اگست کے پہلے ہفتے میں نہ ملے۔ یہ بھی تصور دل

ہیں نہ لائیے کہ چھپ جانے کے بعد پرچے کا آپ کو نہ ملنا لازماً ہماری ہی کوتاہی کا ثمرہ ہوگا ـــــ کبھی تو بے شک اس میں ہمارے ہی دفتر کی بھول چوک کا دخل ہوتا ہے، لیکن عموماً اس کا تعلق ان حوادث سے ہے جو ہمارے اس بِرِّ کوچک میں ڈاک کے سفر کا خاصہ سمجھے گئے ہیں۔ کوئی بھی صورت ہو اطلاع ملنے پر مطلوبہ شمارہ بلا تامل دو بارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ بلکہ سہ بارہ بھیجنا بھی نوادرات میں سے نہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی کوفت کا پارہ برہمی سے جا ملے۔

تاہم آپ کو حقِ شکایت پھر بھی ہے۔ یہ حق غصب کرنے والے ہم کون۔ شکایت تو تعلق کی دلیل ہے ـ ہمیں یقین ہے کہ جب تک ہم اور آپ زندہ ہیں باوجود شکوہ و شکایت کے آپ تجلّی ضرور پڑھیں گے (اِلّا ماشاء اللہ) اور ہم بھی انشاء اللہ اسے چھاپنے سے باز آنے والوں میں نہیں ـ واللہ المستعان نعم المولیٰ ونعم الوکیل۔

حالاتِ حاضرہ

جس وقت یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں ہندوستان کے باہوش اور حساس مسلمان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شہادت پر رنج و اضطراب اور نوحہ و ماتم کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ انکی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وزیرِ تعلیم مسٹر چھاگلا مستعفی ہوں اور حکومت اپنا آرڈیننس واپس لے۔ یہ آرڈیننس بظاہر اصلاحِ حال کے نام سے جاری کیا گیا ہے لیکن اس کا سیاق و سباق ایسا ہے کہ کوئی بھی صاحبِ بصیرت اور منصف مزاج اسے محض قتل کے سوا کوئی نام نہیں دے سکتا۔ قاتل کون ہے یہ سب جانتے ہیں۔ لیکن قتل کس کی تحریک اور شہ پر ہوا ہے اس کا احساس و ادراک عام نہیں۔ اسی لئے غصے اور جوش کا تمام تر ہدف مسٹر چھاگلا کو بنایا جا رہا ہے۔ مسٹر چھاگلا نے انداز بھی کچھ ایسا ہی اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کے تن بدن میں آگ لگ جائے۔ ان کا فرعونی لب و لہجہ، ان کی بے نقط الزام تراشی، ان کے خونخوار تیور، ان کی ہٹ دھرمی۔ کس کس کا شکوہ کیا جائے۔ مگر یہ خیال کرنا سادہ لوحی ہوگا کہ مسٹر چھاگلا کی حیثیت آلۂ کار سے زیادہ بھی کچھ ہے۔ وہ بیچارے چیز ہی کیا ہیں۔ آقا لوگ نہ چاہیں تو ان کے منصبِ جلیلہ کا سارا توپخانہ ایک مچھر بھی شکار نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہوا ہے وہ تو ہر حال میں ہونا ہی تھا چاہے مسٹر چھاگلا کی جگہ وزارتِ تعلیم کی کرسی پر کوئی یاور حسین یا قادر بخش بیٹھا ہوتا۔ منصوبہ کہیں اور بنا ہے۔ دل و دماغ اور اختیارات کسی اور کے کام کر رہے ہیں۔ اب یہ مشیت ایزدی کہیئے کہ قرعہ فال مسٹر چھاگلا کے نام نکل آیا۔ وہ آمادہ نہ ہوتے تو کسی اور بے ضمیر اور خود فروش کو آگے رکھ لیا جاتا۔ مسلمانوں کے امتیازی کلچر، تصورات اور عقائد و افکار کو مسخ اور پامال کرنے کا جو ارادہ کیا جا چکا ہے وہ تو روبکار آنا ہی ہے۔ مسٹر چھاگلا پر غم و غصہ بجا۔ لیکن اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ نکلے گا یہ توقع بالکل نہیں۔

ظلم، تنگ نظری، فسطائیت اور جارحانہ قوم پرستی کا اگر مقابلہ کرنا ہے تو ہمارے اعیان و اکابر کو یہ تلخ حقیقت بلا کم و کاست تسلیم کرنی ہوگی کہ کانگریس جن اصول و نظریات پر بنی تھی وہ موت کی نیند سو چکے ہیں اور "کانگریس" کے نام پر اقتدار کی زمام تھامنے والے ان اصول و نظریات کو دستور کی کتاب اور تاریخ کے اوراق میں دفن کر کے کسی اور راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی سرکاری شخصیت ـــــ صدرِ جمہوریۂ ہند بھی جب تحقیق و تفتیش کے بغیر ایک ایسے آرڈیننس پر دستخط کر دیں جس کی حیثیت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے برچھی کی انی سے کم نہیں تو وزیرِ اعظم یا وزیرِ داخلہ سے بہت زیادہ خوش گمانی کون کر سکتا ہے۔ زیادہ دنوں کی بات نہیں آنجہانی پنڈت نہرو کی زندگی ہی میں مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ میں موجودہ وزیرِ اعظم لال بہادر شاستری نے جس لب و لہجے اور اسٹائل میں گفتگو کی تھی وہ زلزلے کی دھمک سے خالی نہیں تھا۔ آج یہ زلزلہ آ ہی گیا تو یہ توقع کرنا کہ لال بہادر شاستری وزیرِ اعظم کی حیثیت میں مسلمانوں کے احتجاج پر ہمدردانہ التفات فرما سکیں گے بھولے پن کی انتہا ہوگی۔

نہ زیر داخلہ نندہ جی بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ ذاتی حیثیت میں کیسے ہی اوصاف حمیدہ کے پیکر ہوں اور نیت بھی ان کی چاہے گنگا جمنا کے پانیوں میں دُھلی ہوئی ہو لیکن سانس وہ جس فضا میں لے رہے ہیں وہ جارحانہ قوم پرستی کے زہر سے رچی ہوئی ہے۔ جارحانہ قوم پرستی کا خاصّہ یہ ہے کہ تمام انسانی و اخلاقی قدریں اُلٹ پلٹ جاتی ہیں اور اس بیماری کا مریض ظلم کو عدل کی جگہ رکھ دیتا ہے۔

موجودہ صدر کانگریس شری کامراج کا حال یہ ہے کہ جب سندر گڑھ کی جمعیت علماء کے ایک وفد نے ان سے دریافت کیا — "ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کب تک ہوتے رہیں گے۔ رڑکیلا کے ہولناک فسادات کے بعد خیال تھا کہ شاید اب فسادات نہ ہوں گے اور رڑکیلا کے مسلمانوں کو تسلی دیدی گئی تھی کہ مسلمان آئندہ پُرامن زندگی بسر کر سکیں گے۔ مگر پھر گورکھپور، گودھرا اور دوسرے مقامات میں فسادات ہوئے تو مسلمان پھر آزردہ ہو گئے۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کے اعتماد کو کس طرح سے بحال کرائیں۔ رڑکیلا میں ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے مگر آپ نے اپنی کل کی تقریر میں ایک لفظ نہیں کہا۔ اگر آپ جیسے لوگ فسادات کو نہیں روکیں گے تو وہ کسی قیمت پر نہیں رُک سکتے۔"

تو شری کامراج نے صرف یہ جواب دیا کہ "اچھا ٹھیک ہے۔"

ہو سکتا ہے ان کے جواب میں ایک آدھ کوئی اور لفظ بھی ہو — لیکن یہ بہرحال طے ہے کہ انھوں نے نہ رسمی نوع کی ندامت ظاہر کی، نہ دو لفظی تسلی ہی کی زحمت اُٹھائی، نہ آگے کے لئے صریحاً نہ سہی اشارۃً ہی کوئی وعدہ کیا پھر کیا گنجائش رہجاتی ہے اس فریب خیال میں مبتلا رہنے کی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں کانگریس کا بنیادی ذہن جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا سے کچھ زیادہ مختلف ہے۔

کہنا ہی پڑے گا کہ حالات نازک تر ہو چکے ہیں اور ہم سانس روکے منتظر ہیں کہ جمعیت علماء اور جماعت اسلامی جیسی بلند قامت جماعتیں اب کیا راہ اختیار کرتی ہیں، ہلکے پھلکے اجلاس کر کے قراردادیں پاس کر دینا خانہ پُری کے درجے کی چیز ہے۔ اسی پر تکیہ کر لینا یہ معنی رکھے گا کہ ہم ہتھیار ڈال چکے ہتھیار ڈال کر یہاں حقوق کی قاشوں کا انتظار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہم یہ انتظار کریں کہ بادِ خزاں کے جھونکے پھول کھلائینگے۔

نفاق کا ایک اچھا موقعہ

یاد ہوگا۔ ابھی صفحات میں ہم نے ایک اسلام دشمن کتاب "مصابیح الاسلام" کے جواب کی اشاعت کے سلسلہ میں حافظ امام الدین رام نگری صاحب کے لئے تعاون کی اپیل کی تھی۔ ہماری اپیل گوش توجہ سے سُنی گئی اور اہل خیر نے خاصا دستِ تعاون بڑھایا۔ نتیجے میں جواب کی قسط اول کتابی صورت میں آگئی ہے۔ اس پر اسی شمارے میں تبصرہ بھی ہے۔ اب ہم پھر اس پوزیشن میں ہیں کہ تعاون کی اپیل کریں۔ اگر آپ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دلچسپی ہے تو اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ خرید کر پھیلانا اس کا بہترین مصرف ہوگا۔ یہ جتنی جلدی نکلے گی اسی قدر جلد بقیہ دو حصے بھی چھپ سکیں گے۔ آپ چاہیں تو اس کی کاپیاں مناسب لوگوں تک بھجوانے کے لئے سو پچاس نسخوں کی اکھٹی رقم بھی مکتبہ تجلّی کو یا براہ راست حافظ صاحب کو بھیج سکتے ہیں۔ آپ کی طرح ادارہ تجلّی بھی اسے اشاعت دینے میں کوشاں ہے۔ توقع ہے کہ یہ مختصر اور سادہ سی اپیل اسی خاص توجہ کی مستحق سمجھی جائے گی جس کا ثبوت پہلی اپیل کے سلسلے میں دیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدمتِ دین وملّت کے لئے جانی ومالی ہر طرح کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہندی اُردو لغت

ہندی سیکھنے والے حضرات اس سے فائدہ اُٹھائیں۔
ہندی الفاظ کا ماہرانہ اُردو ترجمہ۔ مجلّد ساڑھے تین روپے۔
مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو پی)

وہ ایک "ایمان" تھے جو کڑک رہا تھا — وہ ایک برق تھے جو تڑپ رہی تھی - وہ روح کی ایک ولولہ انگیز چیخ تھے - وہ دل کا ایک جذبۂ بے قرار تھے -

وہ تو ایک "رقصِ شرر" تھے جو بے چین تھا کہ گھٹاٹوپ تاریکیوں پر دیوانہ وار جست کرے اور اندھیروں کا سینہ چیرتا ہوا پھر اسی خاک میں مل جائے جہاں سے وہ پہلی بار بلند ہوا تھا اور جہاں سے ایک بار اسے پھر اٹھنا تھا —!

کیا ہم مسلمان ہیں؟

شمس نوید عثمانی

خدا ان کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کہ انھوں نے واقعی ایسا ہی کرکے اور کہہ کے دکھا دیا - بارگاہِ رسالت میں انھوں نے جس حقیقت کا ابھی ابھی اقرار کیا تھا اس کا فلک شگاف اعلان کرنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے - اعلان کرنا اس وقت جان کی بازی لگادینے کے مرادف تھا، مگر انھوں نے سر تھیلی پر رکھ کر وحشت و بربریت اور کفر و شرک کی سفاکیوں کو للکارا اور سیکڑوں بتوں کے درمیان کھڑے ہوکر پوری طمانیت اور بے خوفی کے ساتھ خدا کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کا ولولہ انگیز اعلان کیا - چڑھی ہوئی تیوریوں سے آگ برسی اور مشتعل ہجوم کے دستِ تشدد نے کھل کر مشقِ ستم کی، مگر جبر و تشدد کی یہ یلغار خدا کے اس اکیلے بندے کو پسپا کہاں کرسکی — وہ تو جہاں سے اپنے مضروب و مجروح جسم کا ڈھانچا اپنے ہی کاندھوں پر اٹھا کر لایا تھا -

"پلِ صراط" نزدیک ہے!!

ابوذر غفاریؓ —

جن کا غیور خون — غیرتِ حق سے گلنار اور حمیتِ بندگی سے سرشار خون رگوں میں چپ چاپ دوڑنے پھرنے کے بجائے رگ و پے سے ٹپک پڑنے کا قائل تھا - جنھوں نے اللہ کے قدموں میں سر رکھتے ہی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ہاتھ دیتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ آخرت اس دنیا سے کہیں زیادہ بڑی اور قیمتی حقیقت ہے — محسوس کیا تھا کہ اب وہ دنیا کی بڑی سے بڑی قہرمانیت سے آنکھیں چار کرکے یہ زلزلہ انگیز اعلان کرسکتے ہیں کہ "محمدؐ جس خدا کے رسول ہیں یہ ساری کائنات اسی خدا کی ہے — اسی خدا کی غلام ہے"

ابوذر غفاریؓ —

اسی جگہ دوسرے ہی دن اسی اعلانِ حق کی گرج سے باطل کے قلعہ پر بجلیاں گراتا ہوا آیا۔ کعبے کے تین سو ساٹھ بتوں کی بنیادوں میں زلزلے کروٹیں لینے لگے ایک "آدمی" کے حوصلوں نے سیکڑوں "خداوندوں" کے غرور و نخوت اور غیظ و غضب کو عین میدان میں دعوتِ پیکار دی تھی!

ابوذر غفاریؓ:۔

جو گوشت پوست کا ایک ڈھیر نہیں محمدؐ کے فولادی یقین کی زبردست بازگشت تھے۔ وہ ایک "ایمان" تھے جو کڑک رہا تھا۔ وہ ایک برق تھے جو تڑپ رہی تھی ——— وہ روح کی ایک ولولہ انگیز چیخ تھے ——— وہ دل کا ایک جذبۂ بیقرار تھے۔ وہ ایک "رقصِ شرر" تھے جو بے چین تھا کہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں پر دیوانہ وار حملہ کرے اور اندھیروں کا سینہ چیرتا ہوا پھر اسی خاک میں مل جائے جہاں سے وہ پہلی بار بلند ہوا تھا اور جہاں سے اسے ایک بار پھر اُٹھنا تھا۔

لیکن یہی جذبۂ بیقرار ——— یہی شعلۂ بغاوت جو بڑے سے بڑے باطل پر بجلیاں گرا دیتا تھا جب اُس آدمی کے روبرو ہوتا جس کا مبین اور عظیم نام "محمدؐ" تھا تو پھر اس کی والہانہ عاجزی و سپردگی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا۔ حق و صداقت کا کتنا بڑا پیکر ہوگا وہ وجودِ انسانی جس کی جنبشِ نظر پر ابوذرؓ جیسے نڈر اور بے جگر انسان کی دھڑکنیں رقص کرتی تھیں ——— مختلف صحابہؓ نے آنحضرت کی "جامع کمالات" شخصیت سے اپنے اپنے ذوق و صلاحیت کے مطابق فیوض و کمالات کی دولت سمیٹی تھی۔ مگر ابوذر غفاریؓ کے حصے میں حضورؐ کا محض زہد و فقر ہی آیا تھا۔ یہ زہد و فقر ان کے اندر اور باہر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ حضورؐ نے ان کے زہد و فقر کو حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے زہد و فقر سے مشابہ قرار دیا۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ ایک بہت بڑے ڈاکو رہ چکے تھے۔ لیکن پھر ان کے اندر ہی اندر ایک عظیم انقلاب پیدا ہونا شروع ہوا۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ اس ساری کائنات کا خدا ایک ہی ہے۔ توحید کی یہ چنگاری ان کی راکھ میں شعلہ زن ہوئی تو خدا کے بندوں کو لوٹنے والا بے چین ہو گیا کہ وہ خود ہی راہِ مولا میں کہیں لُٹ جائے۔ اب وہ دولتِ دنیا سے بیزار ہو کر دولتِ دیں ڈھونڈ رہے تھے۔ اب انھیں اس خدا کی تلاش بے قرار کئے ہوئے تھی جس کا یقین ان کے قلب و روح کے اندر جاگ اٹھا تھا۔ پھر جب اس "حقیقتِ منتظر" کی جاں نواز آہٹ پاکر وہ کشاں کشاں آنحضرتؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو نگاہِ اولیں ہی میں حضورؐ کی دلنواز آنکھوں میں حقیقت کی تجلّی دیکھ لی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا اور اس کے رسولؐ کے ہو کر رہ گئے ——— خدا ہی جانے دامنِ رسولؐ میں انھیں وہ کونسی "دولت" نظر آئی تھی کہ جس کے بعد سونے اور چاندی کو انھوں نے مٹی کے ڈھیر میں بدلا ہوا پایا اور پھر اپنی فقیرانہ زندگی پر انھوں نے دولت و حکومت کا سایہ تک نہ پڑنے دیا۔ ان کو حضورؐ سے اور حضورؐ کو ان سے گرویدگی کا ایسا زبردست تعلق تھا کہ حضورؐ نے اپنے بسترِ وفات پر بھی ان کو یاد فرمایا تھا اور زندگی میں اپنی محفل میں سب سے پہلے تخاطب کا شرف بھی انھیں کو عطا فرماتے تھے۔ آخری وقت میں جب وہ حضورؐ کے بالیں پر تشریف لائے تو خوف و غم سے لرزتے ہوئے ان کے وجود کو آنحضرتؐ نے اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا۔ ہائے وہ سینہ جسے محمدؐ کے مقدس سینے سے لمس کا شرف حاصل ہوا تھا۔

اور آہ! خدا کے آخری رسولؐ سے یہ ان کی آخری ہم آغوشی! ——— آغوشِ رسالت کی اس گرمی اور گرم جوشی نے ان کے سوزِ آخرت کو اس حد تک گرما دیا تھا کہ پھر وہ کبھی اس دنیائے فانی کو گلے لگانے کا تصور تک نہ کر سکے ——— پھر تو یہ دنیا آخرت کے اس دُور افتادہ راہی کے لئے ایک درخت کی چھاؤں سے زیادہ کچھ نہ رہی جس کے نیچے بہت دور جانے والا مسافر تھوڑی سی دیر کو سستا تو سکتا ہے ——— پاؤں پھیلا کر سو نہیں سکتا۔ سو بھی جائے تو بقدرِ ضرورت ——— پھر تیز تیز اپنی راہ چل دیتا ہے۔

حضورؐ کی زندگی میں صرف ایک بار انھوں نے کسی جگہ کی امارت کی خواہش ظاہر کی تھی اور انھیں بارگاہِ رسالت سے جواب ملا تھا کہ:۔

"اے ابوذر! ——— تم ناتواں ہو ——— میں تمھارے لئے

وہی چیز پسند کرتا ہوں جو مجھے خود اپنے لئے پسند ہے۔"

یہ جواب سنتے ہی انھوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا کی سنہری گرد کو دامنِ شوق سے جھٹک دیا تھا۔ وہ فقر و زہد میں ڈوبتے چلے گئے تھے آخرت سے نزدیک تر اور جیتے جی دنیا سے دور تر ہوتے چلے گئے تھے۔

لیکن یہ دوری جو کبھی کبھی "رہبانیت" معلوم ہوتی تھی حقیقتہً رہبانیت نہیں تھی ـــ وہ دنیا سے فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے انھوں نے دنیا کو چھوڑ دیا تھا ـــ اس کا صحیح اندازہ اس ملاقات اور گفتگو سے ہو سکتا ہے جو ان کے زہد و فقر کے اس خاص دور میں ان کے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے درمیان ہوئی ـــ حضرت اشعریؓ سے ان کے گہرے روابط تھے مگر جب وہ گورنر بنائے جانے کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملنے آئے اور وہ "بھائی بھائی!" کہتے ہوئے ان کی طرف بڑھے تو حضرت ابوذرؓ نے ان کو دور ہٹاتے ہوئے کہا:-

"اب تم گورنر ہو ـــ میرے بھائی کہاں"

لیکن دوسری ملاقات کے موقعہ پر جب حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ پھر ان کی طرف مشتاقانہ بڑھنا چاہتے تھے تو حضرت ابوذر کی مفصل گفتگو نے یہ واضح کیا کہ ان کا حقیقی مفہوم کیا تھا۔ درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر دولت و حکومت نے تمھاری دولتِ دل کو لوٹ نہیں لیا ہے تو ہم تم بھائی بھائی ہیں، ورنہ ایک دولت مند گورنر اور ایک فقیر میں بھائی بھائی کا رشتہ کہاں!

"تم نے کوئی بڑی بلڈنگ تو کھڑی نہیں کر لی؟" حضرت ابوذرؓ نے سوال کیا تھا۔

"جی نہیں"

"زراعت تو نہیں کرتے ـــ مویشیوں کے گلّے تو نہیں رکھتے؟"

"نہیں نہیں"

"ہاں تو اب تم یقیناً میرے بھائی ہو" حضرت ابوذرؓ نے اخوتِ اسلامی کے سچے احساس کے ساتھ کہا تھا اور خدا کے

دو غلام بغل گیر ہو گئے تھے۔ ایک بار ابو مروان نے انھیں دیکھا کہ وہ ایک چادر باندھے ہوئے خدا کی پرستش کر رہے ہیں۔

"ابوذر! ـــ" انھوں نے نماز کے بعد ان سے پوچھا "کیا بس ایک ہی چادر رہ گئی ہے؟"

"اگر کوئی اور ہوتی تو تمھیں نظر نہ آتی" حضرت ابوذرؓ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن" ابی مروان بولے "اس سے پہلے تو تمھارے پاس دو کپڑے تھے"

"ضرور تھے" حضرت ابوذرؓ نے کہا "مگر وہ کپڑے میں نے ان کے مستحقوں تک پہنچا دیئے"

"تم تو خود ہی ان کے مستحق اور ضرورتمند تھے" ابی مروان نے قدرے حیرت سے کہا۔

یہ سنتے ہی حضرت ابوذرؓ کے چہرے پر روحانی کرب کے آثار ظاہر ہوئے ـــ ابی مروان کو غور سے دیکھا اور دل گرفتہ سی آواز میں کہا:-

"خدا تمھیں معاف کرے۔ تم چاہتے ہو کہ دنیا کو بڑھایا جائے۔ تمھیں نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں، دوسری مسجد کے لئے ہے۔ کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں۔ کچھ خچر ہیں جو بوجھ ڈھوتے ہیں۔ ایک خادم ہے جو کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے ـــ بتاؤ آخر اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان بکریوں کا دودھ بھی وہ خود ہی نہیں پی لیتے تھے۔ دودھ کی یہ نعمت پاتے ہی انھیں منعمِ حقیقی کا خیال آتا تھا۔ پھر خدا کے ان بندوں کا خیال آتا جو ان کے آس پاس آباد تھے اور ان کا جو اپنے حصّے کا رزق حاصل کرنے کے لئے ان کے دستر خوان پر مہمان بن کر آتے رہتے۔ پڑوسیوں اور ہمسایوں کو دودھ سے شکم سیر کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ اور ان کی اہلیہ دونوں نوش جان فرما لیتے ورنہ ایسا بھی ہوتا کہ سارا دودھ اوروں کے حصے میں چلا جاتا اور ان کے لئے صرف شکرِ نعمت کی مٹھاس رہ جاتی!

ان کے اوپر فقر و زہد کا جو غیر معمولی غلبہ تھا اس کے پیش نظر

اندیشہ تھا کہ ان کے یہ مخصوص رجحانات کوئی خطرناک رنگ نہ لائیں اور ان اصحاب رسولؐ سے ٹکراؤ کی نوبت نہ آجائے جو دین و دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے زندگی کا پل صراط طے کر رہے تھے۔ شاید اسی لئے آنحضرتؐ نے ان سے ایک بار پوچھا تھا:۔

"جب تمھارے اوپر ایسے حکمراں ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے تو اس وقت تم کیا کرو گے؟"

"تلوار سے کام لوں گا" حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا تھا۔

"میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں" حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا "ایسے دور میں تم صبر کرنا۔ کرتے رہنا یہاں تک کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔"

ایک بار ابوذرؓ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے آں حضرتؐ تشریف لائے اور مستقبل کے واقعات کی طرف غیبی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ابوذر! جب تم اس جگہ سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟"

"اپنے گھر چلا جاؤں گا" انھوں نے عرض کیا "یا مسجد نبوی میں چلا آؤں گا"

"اگر اس سے بھی نکالے گئے؟"

"تو پھر تلوار سے کام لوں گا۔"

یہ جواب سنکر حضورؐ نے اپنا مقدس ہاتھ ان کے شانے پر رکھدیا اور تین بار ارشاد فرمایا:۔

"ابوذرؓ! خدا تمھاری مغفرت کرے ـــ تلوار مت نکالنا، جہاں وہ لیجانا چاہیں چلے جانا"

اور ـــ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے ایسا ہی کیا تھا دور عثمانیؓ میں انھیں مشورہ دیا گیا کہ وہ ربذہ چلے جائیں اور وہ سیدھے اٹھ کر وہاں چلے گئے تھے اور پھر وہیں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلی تھی وہاں کچھ لوگوں نے ان سے درخواست پر درخواست کی کہ وہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھیں تو ہم پوری طرح ساتھ دیں گے لیکن انھوں نے فتنہ کا سر کچل دیا اور نماز تک کی امامت قبول نہیں کی ـــ ایک حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی اور کہا "میرے خلیلؐ کا میرے لئے یہی حکم تھا" ـــ کیسا خوش نصیب تھا وہ انسان جو انس وجن کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا "خلیل" کہہ سکتا تھا۔

اور کس قدر سچا ہوگا وہ انسان کاملؐ جس کی ایسی والہانہ اطاعت ابوذرؓ جیسے باطل دشمن اور شمشیر برہنہ انسان نے کی!۔

ربذہ میں ان کی یہ فقیرانہ زندگی اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب ایک طرف امت کے اندر اختلافات کے شعلے اٹھ کر فتنوں کا رنگ اختیار کرتے جارہے تھے تو دوسری طرف دولتِ دنیا کا ایک سیلاب تھا جو امنڈا چلا آرہا تھا وہ ان دونوں سے بچنا چاہتے تھے۔ اپنی تنہائی کی برکت سے وہ ان دونوں آزمائشوں سے محفوظ و مامون رہے۔ مگر ان کی بیوی کے لئے ان کی یہ عظیم زہد و فقر کی زندگی بڑی آزمائش ضرور بن گئی تھی۔

عمران بن اوطانؓ نے دیکھا کہ ابوذرؓ مسجد کے گوشۂ تنہائی میں سمٹے ہوئے اس طرح بیٹھے ہیں جیسے کوئی بڑے بھاری طوفان سے خود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ابوذر! ـــ" ابن اوطان نے تعریض کے انداز میں پوچھا "یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

حضرت ابوذرؓ نے درد بھری نظریں اٹھاتے ہوئے جواب دیا "میں نے اپنے آقا سے سُنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے"

ابی اسماء اسی دور میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے ربذہ پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیوی خستہ حالی کا شکار ہیں مگر ابوذرؓ اسی فقر میں مست ہیں۔

"یہ عورت کہتی ہے" ابوذر نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پرسوز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کہ میں عراق چلا جاؤں۔ لیکن عراق جاؤں گا تو وہ لوگ میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور یہ گراں باری مجھے پل صراط پر اوندھے منہ گرا سکتی

ہے۔ نہیں میں اس گرانباری سے سبکدوش ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر ابوذرؓ نے ایک درد بھری بات کہی:۔

"میرے محبوبؐ نے بتایا تھا کہ جہنم کے پل کے سامنے ایک [illegible] پھسلا دینے والا راستہ ہے اور ـــ تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے۔"

بیت المقدس میں احنف بن معیش کو ایک عجیب آدمی دکھائی دیا جس کا حال یہ تھا کہ وہ سجدے سے سر اٹھاتا تھا اور پھر سجدے میں گر جاتا تھا۔

احنف خاص اشتیاق و تجسس کے ساتھ اس آدمی کے پاس گئے اور سلسلۂ گفتگو چھیڑنے کے لئے پوچھا:۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے دو رکعتیں ادا کیں یا ایک رکعت؟"

"اگر مجھے نہیں تو خدا کو تو خبر ہے" اس شخص نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کے بعد خوابناک انداز میں یہ لرزتے ہوئے الفاظ اس کے ہونٹوں تک آئے۔

"میرے دوست ابوالقاسمؐ نے مجھ کو خبر دی ہے۔۔۔"

جملہ پورا نہ ہو سکا۔ آواز گلوگیر ہو گئی۔

"میرے دوست ابوالقاسمؐ نے مجھ کو خبر دی ہے کہ۔۔۔"

اتنا ہی بمشکل کہہ سکے تھے کہ پھر سینے سے ہوک اٹھی اور کوئی انھیں یاد آ گیا، ضبط کا بندھ ٹوٹ چکا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تیسری بار انھوں نے پھر بات کہنے کی کوشش کی تو دل کی بات زبان تک آ سکی۔

"میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ جو بندہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھ دیتا ہے۔"

"آخر آپ کون ہیں؟" پیہم سجدہ ریزیوں کا یہ رازِ نہاں سمجھنے کے بعد احنف بن قیس نے عقیدت کے ساتھ سوال کیا۔ اس کے جواب میں سادگی، عجز، درد اور یادِ ماضی میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔

"ابوذرؓ ـــ رسول اللہؐ کا صحابی۔۔۔"

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب محاذ پر پہنچنے کے بعد حضورؐ کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ کون کون اس مہم میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے تو پیچھے رہ جانے والوں میں "ابوذرؓ۔ رسول اللہؐ کے صحابی" کا نام بھی لوگوں کی زبان پر آیا۔ لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ راہ میں ان کی سواری شست پڑ گئی تھی تو اب وہ اپنا سامان کمر پر لادے ہوئے رسول اللہؐ کے نقوشِ پا پر چھائے ٹپکاتے ہوئے چلے آ رہے تھے ـــ چلے آ رہے تھے مستانہ وار ـــ اپنے آپ سے بے خبر۔ خدا اور اس کے رسولؐ کی یادوں میں غرق۔ سراپا نیاز و اطاعت۔

"وہ کوئی آ رہا ہے!" کسی کی آواز بلند ہوئی۔

"ابوذرؓ ہوں گے" حضورؐ نے بلا تامل فرمایا۔

"خدا کی قسم ابوذر ہی ہیں" دوسری آواز آئی۔

"ابوذر پر خدا رحم کرے" حضورؐ کے مقدس الفاظ سُنے گئے "وہ تنہا چلتے ہیں ـــ تنہا مریں گے اور ـــ تنہا اٹھیں گے۔"

اور واقعی ایسا ہی ہوا ـــ ابوذرؓ نے زہد و فقر کی جو منفرد زندگی بسر کی تھی اس کا آخری سانس انھوں نے ایک ویرانے کی تنہائی ہی میں لیا جہاں ان کے اور ان کی بیوی کے سوا اور کوئی متنفس نہ تھا۔

"اب کیا ہوگا؟" بیکسی اور بے سروسامانی کے احساس سے ان کی اہلیہ رو پڑی تھیں۔

"کیوں۔۔۔ کیوں رو تی ہو؟" جسمانی ضعف اور ایمانی خوف کی دو آتشہ آواز میں حضرت ابوذر پکارے تھے۔

"ہمارے پاس کفن کے لئے بھی کوئی کپڑا موجود نہیں اور آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ اس ویرانے میں سفرِ آخرت کیلئے پابہ رکاب معلوم ہوتے ہیں" آنسوؤں کے درمیان سے ان کی اہلیہ نے کہا تھا

"فکر مت کرو" جاں بلب صحابیؓ نے صحابیت کی مخصوص ایمان افروزیوں کے جلو میں لبوں کو جنبش دی تھی۔ "ہم چند آدمی حضورؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں جان دے گا اور اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت وہاں پہنچ جائے گی! ـــ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب لوگ بستیوں میں مر چکے اور وہ صحرا میں مرنے والا شخص میں ہی ہوں ـــ خدا کی قسم! کہنے والے نے سچ کہا اور سننے والے نے سچ سُنا۔ جاؤ اور دیکھو کہ لوگ ضرور ادھر آ رہے ہوں گے۔"

"حاجیوں کے قافلے اپنی اپنی راہ پر جاچکے" اہلیہ نے آہِ سرد بھرتے ہوئے کہا تھا" راہیں ویران پڑی ہیں — اب کون آئے گا —" لیکن ابوذرؓ کے اصرار پر وہ ٹیلے پر چڑھیں تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہمراہ چند لوگ ادھر چلے آرہے ہیں اور حضرت ابوذرؓ کی وصیّت کے مطابق ان کو سپردِ خاک کیا گیا۔ مرتے مرتے وہ دنیا کی گرد سے دامن جھٹکتے ہوئے گئے اور آخری وصیّت کی :-

"اگر میری بیوی کے پاس کفن بھر کا کپڑا نکل آئے تو مجھے اسی میں کفنایا جائے اور تمھیں قسم ہے کہ مجھے کوئی ایسا شخص کفن نہ پہنائے جس کا ادنیٰ سا بھی تعلق حکومت سے ہو"

یہ تھے وہ لوگ جن کو یہ بات یاد تھی کہ خدا کی جنت سہل الحصول نہیں بلکہ ایک دھاردار پلصراط کے اُس پار ہے لیکن ہم ہیں وہ ظالم نادان جو پل صراط کے ادھر اسی دنیا میں اپنی "جنت" دیکھنا چاہتے ہیں — وہ سبکدوش رہنا چاہتے تھے تاکہ اس خوفناک ترین، خطرناک ترین پُل کو پار کرسکیں — لیکن ہم ہیں کہ دنیا اور اس کے بکھیڑوں سے سر سے پاؤں تک لدے پھندے ٹھیک اسی "پُل" کی طرف بڑھے چلے جارہے ہیں جو دوزخ کے بھڑکتے ہوئے الاؤ کے اوپر بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہمارا منتظر ہے۔

— اگر ہمارا یہی عالم ہے تو کیا ہم اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ ہمارا انجام کیا ہونا ہے؟ — یہ "سوچ" ایمان کا کم سے کم تقاضا ہے — اور جہاں یہ "سوچ" تک نہیں ہے وہاں "ایمان" کہاں — وہاں تو فقط بے جان دعوے ہیں — بے روح الفاظ۔ سوچیے کیا ہمارے پاس یہ "سوچ" — کم از کم یہ "سوچ" ہے؟ —

سوچیے — کیا ہم مسلمان ہیں؟ —

اعلیٰ خوشبوئیں

عطر روحِ چمن

نہایت دلنواز اور پُرکیف خوشبو دل و دماغ کو سرور و تسکین کا احساس دینے والی۔ کافی تیز اور دیرپا۔

- ایک تولہ کا پیکنگ — بارہ روپے۔
- چھ ماشے کا پیکنگ — ساڑھے چھ روپے۔
- تین ماشے کا پیکنگ — ساڑھے تین روپے۔
- ڈیڑھ ماشے کا پیکنگ — دو روپے

گلزار سینٹ

اس کی خوشبو "روحِ چمن" سے کچھ ہلکی ہے بعض طبائع ہلکی اور بھینی خوشبو پسند کرتی ہیں ان کیلئے خاص تحفہ۔

- ایک تولہ — دس روپے۔
- چھ ماشے — ساڑھے پانچ روپے۔
- تین ماشے — تین روپے۔
- ڈیڑھ ماشے — ڈیڑھ روپیہ۔

کوئی سی بھی ایک یا ۲ دو یا ۳ تین شیشیاں طلب فرمائینگے تو محصول ڈاک ہر صورت میں ڈیڑھ روپیہ صرف ہوگا اگر سرمہ دُرِ نجف بھی ساتھ ہی منگائیں تب بھی محصول ڈاک یہی رہیگا۔ البتہ جو لوگ دُرِ نجف کی تین شیشیاں ایک ساتھ طلب فرماتے ہیں وہ عطر بھی ہمراہ منگائیں تو ڈاک خرچ معاف رہیگا۔

تریاقِ معدہ

● معدے، جگر اور آنتوں کی خرابیوں میں نہایت مفید۔ ● معدے یا آنتوں کا درد، بدہضمی، نفخ، تبخیر، مروڑ، حبس ریاح، قبض چاہے وہ وقتی ہو یا دائمی — ان سب حالتوں میں نفع بخش۔ ● دردِ سر، دورانِ سر، دورانِ سر، ضیق النفس میں بھی نافع ہے دیر تک بیٹھ کر کام کرنیوالوں کو معدے اور جگر وغیرہ کی جو شکایات پیدا ہو جاتی ہیں ان سب کا مصلح۔ خوراک صرف ایک رتی۔ کھانا کھانے کے بعد (مفصل ترکیب استعمال ساتھ بھیجی جائیگی) ۲۱ دن کے کورس کی قیمت تین روپے ڈاک خرچ ڈیڑھ [illegible]

دارالفیض رحمانی دیوبند (یو۔پی)

منجانب سید نعمت اللہ (پاکستان) حال مقیم
چنچل گوڑہ

میں نے مہدویت سے کیوں توبہ کی

محترم ایڈیٹر صاحب تجلی - السلام علیکم - سید محمد صاحب جونپوری کے تعلق سے جماعت مہدویہ سے آپ کی مراسلت نظر سے گذری مہربانی فرماکر میرا یہ خط شائع فرماکر مشکور فرمایئے ممکن ہے میرے ہم مسلک حضرات راہ ہدایت پا جائیں اور ان میں غور و فکر کا شعور پیدا ہو جائے۔ آخر میں نے کیوں مہدویت سے توبہ کی۔ مختصراً عرض ہے کہ میں خاندانی مہدوی ہوں، لیکن میں طالب علمی کے زمانہ سے ہی اس تحقیق میں تھا کہ فی الحقیقت کونسا مذہب عقل و فہم کی روشنی میں حق ہے۔ میں نے اپنی تحقیق میں مذہب اسلام کو حق و صداقت پر پایا۔ اسکے بعد اس تحقیق میں کافی عرصہ گذار دیا کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں حق فرقہ کونسا ہے۔ اسی اثناء میں مجھ کو ایک چار صفحہ کا پمفلٹ ملا جو مشیرآباد میں قادیانیوں کے جلسہ میں خود شوکت علی صاحب تقسیم فرما رہے تھے۔ جس کی سرخی تھی "کیا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی موعود تھے؟" یہ شوکت علی صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ بظاہر پمفلٹ تو غلام احمد صاحب کے خلاف تھا۔ لیکن اس نزاکت سے مضمون ترتیب دیا گیا تھا کہ ایک طرف غلام احمد صاحب قادیانی کے خلاف تھا تو دوسری طرف سید محمد صاحب جونپوری کی بھی تردید تھی۔ ایک ہی وار میں مہدویت کے دونوں دعویداروں کو کاٹ دیا گیا تھا۔ آخری صفحہ پر آنے والے مہدی کی علامات مطابق حدیث معہ حوالجات لکھ کر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یہ علامات غلام احمد قادیانی میں نہیں ہیں میں نے ان علامات کو جو مطابق حدیث ہیں کتب احادیث سے مقابلہ کرکے صحیح تو پایا لیکن سید محمد صاحب جونپوری میں ان علامات سے ایک علامت بھی نہیں نظر آتی۔ اس پمفلٹ نے میری تحقیق کو منزل مقصود پہ پہنچا دیا۔ پمفلٹ میں کتابوں کا حوالہ دیا گیا تھا۔ ان کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن یہ چار صفحہ کا پمفلٹ ہی بجائے خود کافی تھا جس میں آنے والے مہدی کے متعلق جو مواد جمع کیا گیا تھا وہ میری آنکھیں کھولدینے والا تھا۔ چونکہ مجھے اپنے فرقے کی کتابوں پر کافی عبور ہے۔ لیکن بجائے تشفی ہونے کے نفرت ہونے لگی۔ کیونکہ وہ سرے سے ہی غلط ثابت ہوئیں۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنے ہی مذہب کی کتابوں میں نہ صرف تضاد پایا بلکہ عملی تحریف اور ایجاد و افتراء کا شمول دیکھا۔ جو بھی انصاف پسند انھیں اندھی عقیدت کی عینک اُتار کر پڑھے گا اس پر بہ آسانی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے مہدوی کرم فرماؤں نے اپنی سابقہ کتب میں اور حالیہ کتب میں زمین و آسمان کا فرق کر دیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا مسائل ڈھالتے گئے۔ ہماری کتابوں میں زیادہ تر ایسی احادیث کو لیا گیا ہے جن میں اطاعتِ مہدی پر زور دیا گیا ہے۔ حالانکہ اصل فیصلہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا سید محمد صاحب جونپوری ہی مہدی ہیں جن کے آنیکی بشارت احادیث میں مرقوم ہے؟ میری تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔ ساتھ ہی ہماری قدیم و جدید کتب کا فرق بھی ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح زمانہ کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کی انجیل کی طرح ہمارے علماء نے جدید کتب میں ردّ و بدل کیا۔ مثلاً ہمارے مسلک کی مایۂ ناز کتاب مطلع الولایت میں لکھا ہے کہ جون پور میں سید خاں نامی رہتے تھے جن کے دو فرزند پیدا ہوئے۔ پہلے

فرزند کا نام احمد رکھا گیا اور دوسرے کا نام محمد رکھا گیا۔ ان کی والدہ کا نام "بی بی آغا ملک ہمشیرہ ملک اقوام الملک" تھا احادیث کے مطابق آنے والے مہدی کی ماں کا نام آمنہ اور باپ کا نام عبداللہ اور خاندان سیّد ہونا چاہئے تھا۔ اس کے برخلاف محمد صاحب جونپوری پٹھان تھے جیسا کہ انکے والد کے نام سے ظاہر ہے سید خاں۔ نہ ان کی ماں آمنہ تھیں نہ باپ عبداللہ نہ سیّد خاندان سے تھے۔ ہمارے مسلک کی مشہور کتاب "انصاف نامے" کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ مہدی (جونپوری) سے جب لوگوں نے یہ سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کا نام میرا نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا اور تمھارے باپ کا نام سیدخاں ہے تب ان بزرگ نے جواب دیا کہ کیا خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ سید خاں کے بیٹے کو مہدی کر دے اور بعضوں کو یوں جواب دیا کہ خدا سے کہو کہ سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ ملّا معین کی طرف سے دو عالموں نے آکر پوچھا کہ تمھارے باپ کا کیا نام ہے جواب دیا کہ بندے کے باپ کا نام سید خاں ہے۔ علماء نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بن عبداللہ تھا اور احادیث کی رو سے مہدی کا نام بھی محمد بن عبداللہ ہوگا۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ جنگ کرو سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی بنایا۔

اسی طرح سیّد محمد صاحب جونپوری کا نسب بھی از سر تا پا غلط ہے کیونکہ سید نعمت اللہ نامی کوئی اولاد موسیٰ کاظم کی نہیں موسیٰ کاظم کے شجرہ میں سیّد نعمت نام کا کوئی لڑکا نہیں ہے سید محمد صاحب جونپوری حدیث نبویؐ کے مطابق مہدی نہیں ہوسکتے کیونکہ ہمارے مسلک کی مایۂ ناز کتب جن پر ہمارے مذہب کا دارو مدار ہے مطلع الولایت اور انصاف نامہ سے ثابت ہوا کہ سیّد محمد جونپوری کا دعوٰۂ مہدیت غلط ہے۔ یہ تھیں ہمارے مذہب کی قدیم نایاب کتب اب جدید کتب ملاحظہ فرمائیے جن میں سے مثال کے طور پر صرف ایک مشہور کتاب العقائد حضرت علامہ بحر العلوم اشرف العلماء سیّد اشرف شمسی کی لکھی ہوئی ہے جس کے حصہ دوم صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں اور حضرت مہدی جونپوری کی ماں کا نام آمنہ اور باپ کا نام عبداللہ ہے۔ حدیث صحیح میں ذکر کیا گیا ہے کہ مہدی کے ماں باپ کا نام یہی ہوگا" لیکن سیّد محمد صاحب جونپوری کی ماں کا نام اور باپ کا نام حدیث کے مطابق ہونا ہمارے مسلک کی کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ نہ معلوم بحر العلوم نے بلا دلیل کیسے لکھ دیا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ علامہ شمسی صاحب نے اپنے مسلک کی کتابوں کے خلاف حالات حاضر کا ساتھ دینے اور سیّد محمد صاحب جونپوری کو مہدی موعود ثابت کرنے کے لئے حدیث کے مطابق ماں اور باپ کا نام بدل دیا۔ اب مسئلہ آئینہ کی طرح سامنے آگیا کہ سید محمد صاحب جونپوری کی ماں کا نام آمنہ نہیں بلکہ آغا ملک باپ کا نام عبداللہ نہیں بلکہ سید خاں تھا جو سید نہیں بلکہ پٹھان تھے۔ میرا ضمیر اپنی تحقیق پر مطمئن ہوا اور سکون محسوس کیا اور مہدویت سے توبہ کی۔ کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوا اور اپنے سابقہ نام کو ترک کرتے ہوئے سید نعمت اللہ نام منتخب کیا فقط والسلام۔

حضرت امیر معاویہؓ کی سیاسی زندگی

صحابیِ رسولؐ کاتبِ وحی

حضرت امیر معاویہؓ کے حالات پر ایک محققانہ کتاب جو اپنے شائستہ لب و لہجے، مستند معلومات اور مضبوط دلائل و شواہد کے اعتبار سے اپنے موضوع پر بے مثال کہی جاسکتی ہے۔

قیمت مجلد دس روپے

حصن حصین شب و روز کے تمام معمولات اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق حدیث سے منقول دعاؤں کا مشہور مجموعہ۔ عربی مع اردو ترجمہ۔ قیمت دس روپے۔

بے مثال زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر لیکن جامع سیرت جدید اسلوب میں حافظ امام الدین رام نگری کے شگفتہ اور رواں قلم سے۔ ۶۵ پیسے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

مشتے نمونہ از خروارے

"معجزہ نہ دکھانے کی سزا!"

ترسیٹھ (۶۳) ہزار، روپیہ اور زمین ضبط کرلی گئی!

۱۹ دن میں پانچ منزلہ عمارت تعمیر کرنے کا حکم

ڈاکٹر سنتیہ وادی سابق ایم، پی

آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۹ دن کے اندر ایک پانچ منزلہ عمارت تعمیر نہ کرسکنے کی وجہ سے حکومت نے ایک شخص کا ترسیٹھ ہزار (۶۳۰۰۰) روپیہ اور وہ قطعہ اراضی ضبط کرلیا۔ جو ایک عمارت تعمیر کرنے کے لئے پٹہ پر دیا گیا تھا۔

تاریخ اور خود موجودہ حکومت کے ریکارڈ پر اپنی قسم کا یہ واحد واقعہ ہے جس میں کسی شخص کو اتنی بڑی عمارت بنانے کے لئے صرف ۱۹ دن کی مہلت دی گئی۔ اور حکم عدولی پر اتنی سخت سزا دی گئی ہو۔

اگلے دن سرکٹ کورٹ دہلی میں حکم امتناعی کے لئے ایک درخواست پیش ہونے پر یہ کہانی سنی گئی۔ عدالت نے درخواست نا منظور کردی۔

اس واقعہ کا تعلق دہلی میں مکانات کی تعمیر کے لئے پلاٹوں کی تقسیم اور ہند سرکار کی ہاؤسنگ منسٹری سے ہے جو اس شرط پر پلاٹ پٹہ پر دیتی ہے کہ ۲۴ مہینوں کے اندر عمارت تیار کرلی جانی چاہیے وہ ایک کمرہ کا کوارٹر ہو یا ۵ منزل کی کوئی بڑی عمارت۔

حال میں ہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ہاؤسنگ منسٹر نے لوک سبھا کو بتایا تھا کہ ۲۴ مہینوں کی اس میعاد میں وہ عرصہ بھی شامل ہے جو عمارت کا نقشہ منظور کرانے میں صرف ہوتا ہے اگر نقشہ منظور کرانے میں ہی دو سال یا اس سے زیادہ لگ جائیں جو پلاٹ ہولڈر کے اختیار سے باہر اور حکومت کے محکمہ کی ذمہ داری ہے تب بھی پٹہ دار ہی کا قصور تسلیم کیا جائیگا۔ اور اس کی زمین ضبط کرلی جائے گی زمین کے علاوہ وہ روپیہ بھی ضبط کرلیا جائیگا جو پٹہ دار نے پریمیم کے طور پر جمع کرایا ہے۔ پھر اگر نقشہ بھی پاس ہو جائے اور سول سپلائی والے سمنٹ وغیرہ عمارتی سامان نہ دیں۔ تب بھی پلاٹ ہولڈر ہی قصوروار ہے جیسا کہ پچھلے سال دہلی کے غیر تعمیر شدہ بیس ہزار پلاٹوں کے پٹہ داروں کو کہا گیا تھا کہ مارچ ۱۹۶۵ء تک مکانات تعمیر نہ کئے تو پلاٹ ضبط کرلئے جائیں گے اور چونکہ ایک سال کی اس مہلت میں بھی وہ لوگ مکان تعمیر نہ کرسکے تو اخبار ایوننگ نیوز (۳ مارچ) کی ایک خبر کے مطابق پٹہ داروں کو ۳۱ مئی ۶۵ء تک آخری مہلت اور دی گئی۔

پھر ہوا یہ کہ جب پلاٹ ہولڈروں کی بھیڑ سول سپلائی والوں کے پاس پہنچی کہ سمینٹ وغیرہ دو۔ تو اسی اخبار کی ۹ مارچ کی خبر کے مطابق تعمیر کو پورا کرنے میں ہی ۱۸ ماہ لگیں گے۔ آخر ۱۹ مارچ کو راجیہ سبھا میں ہوم منسٹر نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ حکومت نے دہلی ایڈ منسٹریشن کو حکم دیا ہے کہ وہ ان بیس ہزار پلاٹ ہولڈروں کے معاملہ میں میعاد کی شرط کو لاگو نہ کریں۔

دو سال کی اس شرط کے ناکافی ہونے کا اعتراف خود ہاؤسنگ منسٹر نے لوک سبھا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کر لیا۔ ان کے جواب میں ایک اور بھدی اور قابل افسوس صورت حال کا انکشاف بھی اچانک ہی ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ پٹہ نامہ کی شرطیں پچاس سال پہلے مقرر کی گئی تھیں۔ اور موجودہ حکومت بھی آنکھ بند کئے اسی راہ پر چلتی رہی ہے اور حالات کی تبدیلی کی روشنی میں کسی کو اس میں تبدیلی کرنے کا خیال نہیں آیا۔ اور ہزاروں لوگ میعاد کی اس شرط کی کند چھری سے ذبح ہوتے رہے محکمہ کے اہل کاروں کو اس شرط میں کرپشن کا اچھا موقع مل گیا۔ شری گجرال کے سوال اٹھانے پر ہوم منسٹر نے یہ تو کر دیا کہ بیس ہزار غیر تعمیر شدہ پلاٹوں کو ضبط ہونے سے بچا لیا لیکن کچھ ممبروں نے لوک سبھا میں سوال کیا ہے کہ جب میعاد شرط کو خود متعلقہ وزیر نے ناکافی اور پچاس سال پرانی تسلیم کیا ہے جب نہ کنٹرول تھے نہ پرمٹ۔ تو جن غریبوں کے پلاٹ اور روپیہ اس بناء پر ضبط کر لئے گئے ہیں کہ وہ میعاد کے اندر مکان نہ بنا سکے ان کیسوں پر از سر نو غور کر کے پلاٹ اور ضبط شدہ روپیہ واپس کر دیں۔ لیکن پتہ نہیں ہاؤسنگ وزیر اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ بیس ہزار پلاٹ کتنا عرصہ پہلے الاٹ کئے گئے تھے پتہ نہیں۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ ان کے پچھلے سال پورے بارہ مہینہ کی مہلت دی گئی تھی۔ پھر اس مارچ میں دو مہینے اور بڑھا دیئے بالآخر میعاد کی شرط ہی ختم کر دی گئی۔ اور دو سال کی شرط کے ناقابل عمل ہونے کو تسلیم کر لیا گیا۔ اسی سلسلہ کے ایک دو سوالات میں لوک سبھا کے کچھ ممبروں نے اعداد و شمار بھی پوچھے تھے فی الحال تو وزیر صاحب نے یہ کہکر موقعہ بچا لیا ہے کہ اعداد و شمار جمع کئے جا رہے ہیں۔ لیکن جب بھی اعداد و شمار سامنے آئیں گے اور سارے گول مال سے پردہ اٹھے گا تو لوگ اندھیر گردی کا ننگا ناچ دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔

بہر حال سول سپلائی والوں کی مہربانی سے بیس ہزار پلاٹ ہولڈر تو ضبطی کی کند چھری سے ذبح ہونے سے بال بال بچ گئے لیکن جو ہزاروں بے گناہ اسی چھری سے اب سے پہلے ذبح ہو چکے ہیں اور جن کی لاشوں پر نئی عمارتیں بننے کی تیاریاں ہو رہی ہیں ان کی درد ناک کہانی سے شاید کبھی پردہ نہ اٹھتا۔ اگر حکم امتناعی کی مذکورہ بالا درخواست ہائی کورٹ میں پیش نہ ہوتی۔ جس مقدمہ کا ذکر کرنا ہے اس کی عجیب و غریب اور درد ناک کہانی پر یقین نہیں آتا۔ مگر شری مہر چند کھنہ کی وزارت اور کانگریس کی حکومت میں یہ سب ممکن ہے۔

یہ متھرا روڈ کی پریس کالونی کے ایک پلاٹ کی کہانی ہے جس کے بدقسمت پٹہ دار کو ایک مرتبہ بھی دو سال کی پوری مہلت نہیں دی گئی اور لاکھوں روپے کے پلاٹ کے علاوہ تریسٹھ ہزار روپیہ پریمیم کا بھی ضبط کر لیا گیا۔ یہ روپیہ اس روپیہ سے علاوہ ہے جو زمین کے کرایہ۔ تاخیری تاوان اور پٹہ نامہ کی رجسٹری وغیرہ پر خرچ کیا گیا ہے۔ پوری کہانی جو دھاندلی، تعصب اور بے انصافی کی کہانی ہے اس طرح ہے۔

پریس کالونی متھرا روڈ کے اس پلاٹ کو پٹہ پر دینے کا معاہدہ ۲۹ اپریل ۱۹۵۳ء کو عمل میں آیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۳ء کو اس معاہدہ کی رجسٹری ہوگئی ہونا یہ چاہئے تھا کہ مکان بنانے کی مدت دو سال رجسٹری کی تاریخ سے شمار ہوتی لیکن یہ میعاد ایک سال پہلے ہی یعنی ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء کو شروع ہو چکی تھی۔ گویا جس روز پلاٹ پر پٹہ دار کا قانونی حق قائم ہوا۔ پلاٹ (ایک ۵ منزلہ عمارت) کی تعمیر کے لئے پلاٹ ہولڈر کے پاس عملاً صرف ایک ہی سال باقی تھا۔ شرط یہ تھی کہ ۲۲ جولائی ۱۹۵۲ء سے چھ ماہ کے اندر عمارت کا نقشہ منظور کرا لیا جائے حالانکہ نقشہ منظور کرانا متعلقہ محکمہ کے اختیار میں ہے نہ کہ پلاٹ ہولڈر کی مرضی پر۔

اور ہوا یہ کہ عمارت کا جب نقشہ بنانے کے لئے موقعہ کی

پیمائش کی جانے لگی تو معلوم ہوا کہ محکمہ والوں نے پلاٹ کی صحیح نشان دہی ہی نہیں کی۔ اور اس غلطی کو درست کرانے میں ڈیڑھ سال لگ گیا۔ آخری طور پر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں پلاٹ کی صحیح نشان دہی کر کے قبضہ دیا گیا۔

اس کے بعد نقشہ کی منظوری کا مرحلہ تھا۔ غریب نقشہ ابھی مختلف دفتروں کی ٹھوکریں کھا رہا تھا کہ جنوری ۱۹۵۶ء میں پلاٹ ہولڈر کو ضبطی کا نوٹس دیدیا گیا۔ یہ نوٹس اسے نہیں ملا تو ۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اس کی نقل حاصل ہوئی۔ ایک ہفتہ کے اندر ہی حکومت کو جواب دیدیا گیا اور ساری صورت حال بیان کردی گئی۔ اس جواب پر پورے چودہ ماہ غور ہوتا رہا۔

دوسری جانب عمارت کے نقشہ کی منظوری کا معاملہ چل رہا تھا۔ جسکو ۱۸ر جنوری ۱۹۵۷ء کو چیف کمشنر نے اس لئے نامنظور کردیا کہ اس پر حکومت کی منظوری حاصل نہیں ہوئی تھی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ رضامندی بھی اسی محکمہ سے ملنی تھی۔ جس نے پلاٹ دیا تھا۔ ایک طرف نقشہ نامنظور ہوچکا تھا تو پورے چودہ ماہ کے غور کے بعد کمال مہربانی اور دریادل کا ثبوت دیتے ہوئے ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ۱۹۵۶ء کے نوٹس کو واپس لینے کی اطلاع دیتے ہوئے ۱۹ دن کی مزید مہلت دیدی گئی اور حکم دیا گیا کہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء تک ۵ منزلہ عمارت کی تعمیر مکمل کرلی جائے۔ ان ہی ۱۹ دنوں کے اندر نقشہ کی منظوری اور تعمیر کے سامان کا پرمٹ حاصل کرنا بھی شامل تھا۔ ظاہر ہے کہ مٹی کا بنا ہوا ایک انسان جس کے قبضہ میں نہ کوئی جن ہے نہ جادو، ۱۹ دن میں یہ تمام منزلیں جو گذشتہ چار سال میں طے نہ ہوسکیں طے کرکے پانچ منزلہ عمارت تعمیر نہ کرسکتا تھا۔

نہ صرف وہ بلکہ خود شری مہر چند کھنہ وزیر تعمیرات پوری حکومت کے اختیارات اور وسائل رکھنے کے باوجود یہ چمتکار نہیں دکھا سکتے تھے۔ لیکن روایتی شیر جو بکری کے معصوم بچے کو کھانے پر تلا ہوا تھا اسلئے یہ سیدھی سادی دلیل کہ وہ ندی کے بہاؤ کی جانب پانی پی رہا تھا اور اس کا جھوٹا پانی شیر کی طرف نہیں جاسکتا محض ایک گستاخانہ جراءت ہی قرار دی گئی۔

چنانچہ غریب پلاٹ ہولڈر نے ۱۹ دن کی توسیع کا خط ملتے ہی حکومت سے التجا کی ۱۹ دن میں اتنی بڑی عمارت بنانا اس کے بس میں نہیں ہے مزید اور مناسب مہلت دی جائے۔ فاضل چیف کمشنر نے اس درخواست پر "تفصیل کے ساتھ غور کرنے کے بعد" ۷ر مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھدیا کہ انھوں نے یہ درخواست نامنظور کردی ہے نیز پلاٹ اور پریمیم کا ۵ ۷ ۸ ۶۳ روپیہ بیدردی اور سنگدلی کے ساتھ ضبط کرلیا۔ اس کے بعد کرایہ لینے سے بھی انکار کردیا گیا لطف یہ کہ ۱۹ دن کی مہلت دینے میں چودہ مہینے لگ گئے لیکن ضبطی کا معاملہ صرف تین مہینے میں طے کردیا گیا اور اگلے تین ماہ میں اپیل بھی رد کردی گئی۔

بات پنڈت نہرو کے کان تک پہنچی وہ اپنی حکومت کے اس کارنامہ پر دنگ رہ گئے اور شرمندہ بھی ہوئے ان کے دخل دینے پر تقریباً اڑھائی سال بعد مئی ۱۹۶۱ء میں ڈھائی ہزار تاخیری تاوان لیکر دوبارہ ایک سال کی مہلت دی گئی۔ ریکارڈ پر ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۲ء میں الاٹ کی ہوئی زمینوں پر اب عمارتیں بنائی جارہی ہیں۔ مگر ان کے خلاف اتنا سخت قدم نہیں اٹھایا گیا۔

لیکن جس طرح پہلی مرتبہ نشاندہی غلط کی گئی تھی، اس مرتبہ توسیع میعاد کے خط میں پلاٹ کا نمبر غلط لکھدیا گیا اور پلاٹ ہولڈر کو یہ غلطی درست کرانے میں ہی کئی ماہ لگ گئے نقشہ کی ازسرنو منظوری کا مرحلہ پھر سامنے تھا۔ اس راستہ میں مختلف رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں اور سال کی یہ مدت بھی نکل گئی۔ محکمہ تو جیسے انتظار ہی میں تھا۔ ۳۱ر مئی ۱۹۶۲ء کو میعاد ختم ہوئی اور یکم اگست ۱۹۶۲ء کو دوبارہ اور قطعی طور پر ضبطی عمل میں آگئی۔ قبضہ چھڑانے (بے دخلی) کے لئے بھی قانونی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

معاہدہ کی ایک دفعہ کے ماتحت ضبطی کا حکم دینے سے پہلے چیف کمشنر کے لئے لازم تھا کہ وہ پلاٹ ہولڈر کو

واضح نوٹس اور مصالحت کا موقع دیا۔ لیکن آخری ضبطی سے پہلے یہ موقع بھی نہیں دیا گیا۔ بلکہ خود پلاٹ ہولڈر نے جب بار بار معاہدہ کی تعمیل کرنے اور تاوان ادا کرنے کی پیش کش کی تو محکمہ خاموش بیٹھا رہا۔ اور اس کی یہ پیش کش آخری مرتبہ رد کر دینے کی اطلاع اس وقت دی گئی جب ضبط شدہ پلاٹ دوسرے دوستوں کو دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

ایک سے زیادہ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں پلاٹ ضبط ہونے کا فیصلہ کئے ہوئے مدت ہو چکی ہے لیکن وہ پلاٹ دوسروں کو نہیں دیئے گئے۔

ایک طرف بیس پلاٹ ہولڈر ہیں جن کو مہلت پر مہلت دی جا رہی ہے اور چند رہ ماہ کی آخری مہلت کے بعد میعاد کی شرط ہی معطل کر دی گئی۔ دوسری جانب یہ دردناک مثال ہے۔

پلاٹ کی ضبطی کے بعد عام طور پر معمولی تاوان لے کر مصالحت ہو جاتی ہے چند ایسے کیس بھی شاید ہوں جن میں مصالحت نہیں ہو سکی۔ لیکن ایک کیس جس میں ۱۹ دن کی مہلت دی گئی ہو اور تریسٹھ ہزار (۶۳،۰۰۰) روپے کی خطیر رقم ضبط کر لی گئی ہو۔ پریس کالونی کا یہ پہلا واحد کیس ہے۔

اسی کالونی میں پلاٹ نمبر ۶ کا معاملہ بالکل اسی قسم کا ہے لیکن اس میں وہی معمولی تاوان لے کر معاملہ طے کر لیا گیا۔ نہ پلاٹ ضبط ہوا نہ روپیہ۔

دونوں معاملات میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک میں پلاٹ ہولڈر گلاب سنگھ اینڈ سنز ہیں اور موجودہ کیس میں پلاٹ ہولڈر بدقسمتی سے اقلیتی فرقہ کا ایک (مسلمان) فرد ہے اور پوری پریس کالونی میں یہی واحد پلاٹ تھا جو اقلیتی فرقہ کے کسی فرد کو الاٹ کیا گیا تھا۔

اور اپنی بدقسمتی کا یہ تنہا کیس ہے جس میں پلاٹ کی ضبطی کے علاوہ میعاد کے اندر عمارت نہ بنانے کی اتنی شدید سزا دی گئی ہو۔ اور اتنی بڑی رقم ضبط کی گئی ہو، کسی بھی حکومت کے ماتھے پر اور اس کے انصاف رواداری اور سیکولرزم کے دامن پر اس سے بڑا داغ اور شرمندگی کا سبب نہیں ہو سکتا۔

دو سال کی میعاد والی شرط کے علاوہ پلاٹوں کی تقسیم کی اس پچاس سالہ پرانی اسکیم میں اور بھی متعدد ایسی خامیاں ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں غریب برباد ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں یاد سنگھ وزیر نے کہا تھا کہ پلاٹوں کی ضبطی کا فیصلہ ہر کیس کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ فیس (چہرہ) دیکھ کر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ ورنہ کیا سبب ہے کہ ایک غریب ریفیوجی کا پلاٹ ضبط کر کے دوبارہ الاٹ کرنے کے لئے اسے پرانی شرائط پر نہیں بلکہ مارکیٹ کی قیمت پر پلاٹ دینے کی پیش کش کی گئی ہے اور ضبط شدہ پلاٹوں کی ضبطی میں یہ پالیسی ہے کہ مارکیٹ کی قیمت لی جاتے۔ لیکن اوپر کے معاملہ میں گو نئی پارٹیوں کو اس پالیسی کے ماتحت مارکیٹ کی قیمت پر پلاٹ دینے کا حکم ہوا تھا۔ اس طرح ان کو کئی لاکھ روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن شاید کسی وجہ سے ان کی رعایت مطلوب تھی اس لئے پالیسی اور پہلا حکم ترک کر کے دھا پٹہ کی آسان شرائط پر دیا جا رہا ہے۔ ("بیباک" سہارنپور)

کتاب الصلوٰۃ

نماز پر چھوٹی بڑی بہت کتابیں ہیں لیکن حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رح کی یہ "کتاب" اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس میں صرف مسائل ہی نہیں ہیں بلکہ نماز سے متعلق جملہ امور کی آیات واحادیث اور واقعات وقصص کا بھی محققانہ تذکرہ ہے۔ مستند، وقیع اور دلچسپ۔ ڈھائی روپے۔

پیام وطن کا آزاد نمبر

مولانا ابوالکلام آزاد رح کی رنگارنگ شخصیت پر دلچسپ مواد۔ ان کے نظریات۔ ان کے ادب اور ان کی دیگر خصوصیات پر نوع بہ نوع مقالے۔

قیمت تین روپے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

مستقل عنوان

تجلّی کی ڈاک

شرک و زندقہ کی بہاریں

سوال :- از عبد الغفور لاہور۔

یہاں سے سات میل دور ایک قصبہ ماڈل گڈھ ہے۔ جہاں حال ہی میں عرس کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔ اس موقع پر قبوری شریعت سے اتفاق رکھنے والے واعظ جنھیں چمن قادری کہا جاتا ہے، آئے تھے۔ موصوف کا وعظ ہوا جس میں انھوں نے دیوبندی اہل حدیث تبلیغی جماعت والے ۔۔۔ ان سب پر شد و مد سے نکتہ چینی کی۔ خیر یہ تو ان کا دھندا ہے۔ مگر دوران تقریر چند باتیں ایسی کہیں جو کسی جاہل کی زبان سے بھی آج تک نہیں سنیں۔ چمن قادری نے فرمایا کہ خدا کو جو بڑا مرتبہ ملا ہے وہ بھی حضورؐ ہی کی وجہ سے ملا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ساری باتوں کا اختیار دے رکھا ہے۔ دلیل یہ دی۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللہُ یُعْطِیْ۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ براہ راست خدا سے مانگنا حرام ہے ہمیشہ وسیلے سے مانگو۔ ہمارے اس علاقہ میں ایک تو چمن قادری اور ان کے تین چار چیلے اسی کام میں مصروف ہیں کہ جہاں عرس کا سلسلہ جاری نہیں ہے وہاں جا کر عرس قائم کریں۔ اب آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ جو باتیں چمن قادری نے کہی ہیں ان سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ایسے واعظوں کے وعظ میں شریک ہونا کیسا ہے۔ واضح ہو کہ ماڈل گڈھ کے بہت سے مسلمان اس عرس میں شریک نہیں ہوئے امید ہے کہ آپ عرس کی قباحتوں کو مفصل تحریر فرمائیں گے۔ شاید کہ جناب کے جواب کو پڑھ کر بہت سے مسلمان سدھر جائیں

الجواب :-

ہمارا خیال ہے چمن قادری صاحب کے الفاظ نقل کرنے میں آپ سے چوک ہوئی ہے یا پھر قادری صاحب ہی اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے صحیح الفاظ نہیں چن سکے ہیں۔ انکا مطلب ہماری دانست میں یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور جملہ صفاتِ جلیلہ کا علم ہمیں حضورؐ ہی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ اسی مطلب کے اظہار میں وہ یہ جملہ کہہ گئے کہ

"خدا کو جو بڑا مرتبہ ملا ہے وہ بھی حضورؐ ہی کی وجہ سے ملا ہے"

اگر ہمارا اندازہ درست ہے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ الفاظ صریح کافرانہ ہیں البتہ مفہوم درست ہے۔

لیکن اگر ہمارا اندازہ درست نہیں اور قادری صاحب نے مفہوم بھی وہی لیا ہے جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو ان کے خارج از اسلام ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ ایسی بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے مالیخولیا ہو گیا ہو یا جس کے دماغ کو کسی شیطان یا شریر جن نے اپنی مٹھی میں لے لیا ہو اگر اسلامی نظامِ عدل رائج ہوتا تو ایسے شخص کو توبہ پر مجبور کیا جاتا اور توبہ نہ کرتا تو ارتداد کی آخری سزا دی جاتی۔

دوسری بات کے متعلق یقین ہے کہ انھوں نے ضرور کہی ہو گی۔ یہ بات عرصہ دراز سے اُن لوگوں کی زبانوں پر ہے جو اہلِ ہنود کی عجوبہ پرستی اور عیسائیوں کی مبالغہ آرائی سے

متأثر ہو چکے ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی بے شک حدیث ہے، لیکن صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ و فقہاء میں سے کسی نے بھی اس کا وہ مطلب نہیں نکالا جو بعد کے کور دماغ اور کج فکر بدعتی نکال رہے ہیں۔ صاف سی بات تھی کہ حضورؐ نے دین کے جو اصول و فروع دنیا کو پہنچائے اور حکمت و اخلاق کے جو موتی انسانیت کی جھولی میں ڈالے وہ سب کے سب اللہ کے عطا فرمودہ تھے۔ حضورؐ کو انکی تقسیم و ترسیل کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ اس صاف و سادہ بات سے یہ مطلب نکالنا کہ اللہ نے ہمیشہ کے لئے حضورؐ کو جملہ اختیارات عنایت فرما دیئے ایسے ہی بلید الذہن اور کم سواد لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جنھیں نہ تو قرآن و سنت کا کافی علم ہو نہ توحید کا پاس ہو نہ آخرت کے حساب کتاب کی اہمیت کا احساس۔ ایسے لوگ سوائے اس کے کر ہی کیا سکتے ہیں کہ سادہ لوح اور بے علم عوام کو اپنی خرافات سے گمراہ کریں اور عزو جاہ کی متاعِ قلیل اپنی جیب میں ڈالیں۔

"براہ راست خدا سے مانگنا حرام ہے"

یہ بھی ایسی ہی بات ہے جو کسی سمجھ دار مسلمان کی زبان پر نہیں آسکتی۔ اس کے عقب میں جو ذہن ہے وہ خالص مشرکانہ ہے۔ یہ جملہ — اگر واقعتہً قادری صاحب نے کہا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ نہ وہ خدا سے واقف ہیں نہ حضورؐ سے۔ انھوں نے اپنا ایک علیحدہ خدا اور ایک جداگانہ رسول گھڑ لیا ہے۔ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں دس سے زیادہ جگہ خدا نے براہ راست ہی مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور بالواسطہ مانگنے کا حکم ایک بھی جگہ نہیں۔ حضورؐ کے وسیلے سے کچھ مانگنا اگرچہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے، لیکن ایسا تو کوئی بھی معتبر عالم گذشتہ چودہ سو سالوں میں نہیں گذرا جس نے یہ بیہودہ بات کہی ہو کہ خدا سے براہ راست مانگنا حرام ہے۔

ایسے واعظوں کے وعظ میں شریک ہونا اپنے دین و ایمان کو تختۂ مشق بنانے کی اجازت دیدینے کے ہم معنی ہے یہ واعظ دماغوں کو برباد اور قوائے عمل کو شل کرنے کے سوا کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

عرس کی قباحت پر ہم صدہا بار لکھ چکے ہیں۔ عرس کھلی بدعت ہے۔ اسے نیکی اور ثواب کا کام سمجھنے والے اگر اصطلاحاً عالم بھی ہوں اور بہت لمبا چوغہ بھی پہنتے ہوں تب بھی ان کی کج فکری اور کور دماغی میں شک کی گنجائش نہیں کیا آپ نے شیخ سعدیؒ کا مشہور مصرعہ نہیں سنا کہ:۔

چار پائے بر و کتابے چند

اور کیا سورۂ جمعہ میں یہ آیت آپ کی نظر سے نہیں گذری کہ:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ	ان لوگوں کی مثال جنھیں توریت دی
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ	گئی پھر انھوں نے اسپر عمل نہیں کیا ایسے
الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا	گدھے کی سی ہے جس پر بوجھ لدا ہوا ہو

اگر نصرانی علماء توریت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گدھوں کی صف میں آسکتے ہیں تو مسلمان علماء قرآنی تعلیمات کیخلاف جا کر گدھے کیوں نہ کہلائیں گے۔ پورا قرآن دیکھ جائیے۔ مُردہ بزرگوں سے غلوئے عقیدت کے بارے میں سخت تنبیہیں ملیں گی۔ بار بار کہا گیا ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی کو غوث و دستگیر مت سمجھو کسی اور میں کوئی طاقت نہیں۔ کچھ اختیار نہیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی راہ مت چلو کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی عقیدت میں مبالغہ کیا۔ توحید کے بندے بنو۔ کوئی کچھ دینے والا نہیں، کوئی کچھ چھیننے والا نہیں۔ بس اللہ سب کچھ دینے اور سب کچھ لینے پر قادر ہے۔

لیکن عرس کی فکری بنیاد یہ ہے کہ سال کے سال مردہ بزرگوں کی قبر پر جمع ہوتا کہ برکت حاصل ہو۔ مرادیں مانگی جائیں۔ وسیلے کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ یہ بنیاد ہی باطل ہے۔ مشرکانہ ہے۔ خلاف قرآن ہے۔ احادیثِ صحیحہ شدت سے اس کی مذمت اور تردید کرتی ہیں — مگر عرس بازوں کا حال یہ ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ضعیف روایتیں لاتے ہیں اور پھر انھیں اوندھے سیدھے معنی پہناتے ہیں۔ صریح و محکم آیات سے آنکھیں چرا لیتے ہیں اور آیات متشابہات کی غلط سلط تفسیریں کر کے عامۃ الناس کو بہکاتے ہیں۔